بموقع: تحفظِ سنّت کانفرنس
زیرِ اہتمام: جمعیت علماء ہند

تین طلاق کا مسئلہ

دلائل شرعیہ کی روشنی میں

از

جناب مولانا مفتی سیّد محمد سلمان منصور پوری
استاذ مدرسہ شاہی مراد آباد

شائع کردہ
جمعیۃ علماء ہند
۱- بہادر شاہ ظفر مارگ نئی دہلی ۲ ۱۱۰۰۰ (انڈیا)

تین طلاق کا مسئلہ

دلائل شرعیہ کی روشنی میں

از

جناب مولانا مفتی سیّد محمد سلمان منصور پوری
استاذ مدرسہ شاہی مرادآباد

شائع کردہ

جمعیۃ علماء ہند

۱، بہادر شاہ ظفر مارگ،
نئی دہلی-۱۱۰۰۰۲

تین طلاق کا مسئلہ: دلائل کی روشنی میں

''تین طلاق'' چاہے ایک مجلس میں دی جائیں یا متعدد اوقات میں وہ تین ہی واقع ہوتی ہیں، جمہور فقہاء اور ائمہ اربعہ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک یہی ہے۔ اس کے برخلاف روافض، بعض اہل ظاہر اور آخری دَور کے علماء میں علامہ ابن تیمیہؒ کا مسلک یہ ہے کہ تین طلاقیں جو ایک ساتھ دی جائیں وہ صرف ایک طلاق رجعی کے حکم میں ہوتی ہیں۔ دورِ حاضر کے غیر مقلدین نے اس مسئلہ میں جمہور علمائے سلف کی رائے چھوڑ کر علامہ ابن تیمیہؒ کے مسلک کی شدت سے تقلید کر رکھی ہے اور اس مسئلہ کو اپنے مزعومہ اسلام کے شعائر میں شامل کرلیا ہے۔ موقع بموقع اس مسئلہ کو عورتوں کی حالتِ زار کی دُہائی دے کر اخبارات میں اُچھالا جاتا ہے۔ نادم اور شرمسار طلاق دینے والوں کی اشک شوئی کی جاتی ہے اور انھیں اس پر آمادہ کیا جاتا ہے کہ وہ غیر مقلدوں کے فتوے پر عمل کر کے اپنی ازدواجی زندگی دوبارہ استوار کرلیں۔ یہ مسئلہ بڑا نازک ہے، اس کا تعلق نہ صرف یہ کہ براہِ راست حلت وحرمت سے ہے بلکہ اس مسئلہ میں بے احتیاطی کے اثرات نسلوں تک پڑنے کا اندیشہ رہتا ہے اس لیے کہ جب ایسی عورت سے رجعت کو حلال کہا جائے گا جس کی حرمت پر تمام ائمہ عظام کا اتفاق ہے اور جس کو بلا حلالہ شرعیہ گھر میں رکھنا حرام کاری ہے تو پھر اس سے جو اولادیں پیدا ہوں گی ان میں صلاح وفلاح کا تصوّر کیسے ہوسکتا ہے۔ اسی موضوع پر کچھ آسان اشارات ذیل کے مضمون میں پیش کیے جارہے ہیں۔ امید ہے کہ ان مختصر گذارشات سے اصل مسئلہ کو سمجھنے اور جمہور کے مسلک کے حق ہونے کی طرف رہنمائی ملے گا۔ انشاءاللہ تعالیٰ!

----

(۱) اسلام میں طلاق ایک بامقصد عمل ہے، اس کے کچھ اصول وضوابط ایسے ہیں جو

معاشرہ کو معتدل رکھنے میں معاون ہیں۔ مثلاً زوجین میں اختلاف کے وقت مصالحت کی ہر ممکن کوشش کرنا اور آخری حربہ کے بطور طلاق استعمال کرنا، حالت ناپاکی میں طلاق نہ دینا، اور بیک وقت ایک ہی طلاق دینا وغیرہ۔ اور کچھ احکام ایسے ہیں جن کا تعلق طلاق کی قانونی اور اصولی حیثیت سے ہے جیسے دو طلاق تک رجعت کا حق رہنا[۱] اور تین طلاق کے بعد رجوع کا اختیار ختم ہوجانا[۲]

اوّل الذکر اصول وضوابط کو سامنے رکھ کر فقہاء نے طلاق کی تین قسمیں کی ہیں۔ (۱) طلاق احسن: ایسے زمانہ پاکی میں طلاق جو جماع سے خالی ہو (۲) طلاق حسن: تین طہر میں تین طلاقیں (وغیرہ) (۳) طلاق بدعت: ایک طہر میں تین طلاقیں، حالتِ حیض یا جماع کے بعد اسی طہر میں طلاق[۳]

لیکن واضح رہے کہ ان تقسیمات سے طلاق کی اصولی اور قانونی حیثیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس معاملہ میں تین طلاق کا مسئلہ ''ظہار'' یعنی اپنی بیوی کو ماں کی پیٹھ سے مشابہت دینے کے مسئلہ سے بہت زیادہ مشابہ ہے جس کا ذکر سورۂ مجادلہ کی ابتدائی آیتوں میں کیا گیا ہے۔ یعنی اگرچہ نفس ظہار حرام ہے مگر اس سے بیوی کفارکی ادائیگی تک حرام ہوجاتی ہے اور دوسری مشابہت کی بنیاد یہ ہے کہ جس طرح تین طلاقیں بیک وقت دینا شرعاً مبغوض ہے، اسی طرح اپنی بیوی سے ظہار کرنا بھی قرآن کی نظر میں سراسر جھوٹ اور برا قول ہے[۴]۔ لیکن

---

[۱] الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان۔ (سورۂ بقرہ آیت نمبر ۲۲۹)

[۲] فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره۔ (سورۂ بقرہ، آیت ۲۳۰)

[۳] واقسامه ثلاثه، حسن، احسن، و بدعى، يأثم به. (۱) طلقه رجعية فقط فى طهر لا وطئ فيه وتركها حتى تمضى عدتها. احسن (۲) وطلقه لغير موطؤة ولو فى حيض ولموطؤة تفريق الثلاث فى ثلاثة اطهار لا وطئ فيها ولا فى حيض قبلها ولا طلاق فيه فيمن تحيض وثلاثة اشهر فى حق غيرها حسن (۳) والبدعى ثلاث متفرقة او اثنان بمرّة اومرتين فى طهر واحد لارجعة فيه او واحدة فى طهر وطئت فيه اور واحدة فى حيض موطؤة۔
(ردالمحتار ۳/۲۳۳) کراچی زکریا ۴/۴۳۱)

(۴) الَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنكُم من نساء هم ماهنّ اُمّهاتهم ان امهاتهم الا الّیٓ ولدنهم وانهم ليقولون منكرا من القول وزوراً و ان الله لعفو غفور۔ (سورۂ مجادلہ آیت ۲)

اس برائی کے باوجود ظہار کر لینے سے حکم ظہار یعنی غلام آزاد کرنا، ۶۰ دن کے متواتر روزے رکھنا، ۶۰ مسکینوں کو کھانا کھلانے تک بیوی کا حلال نہ ہونا مرتب ہوتا ہے[1] بعینہٖ یہی صورتِ حال مسئلہ طلاق میں ہے کہ ممانعت کے باوجود طلاق دینے پر اس کا حکم جاری ہوتا ہے۔ امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار میں اس کو واضح کیا ہے[2]

(۲) طلاق کی قانونی حیثیت کے بارے میں بھرپور رہنمائی ہمیں ایک روایت سے ملتی ہے جسے امام ابوداؤد سجستانی (المتوفی ۲۷۵ھ) نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے حوالے سے اپنی ''سنن'' میں ذکر کیا ہے۔

''عکرمہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے آیت **والمطلّقت یتربصن** الخ کے تحت ارشاد فرمایا کہ ابتدا میں اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو اگرچہ تین طلاق دے دیتا پھر بھی اسے رجعت کا حق رہتا تھا تا آنکہ یہ حکم منسوخ ہوگیا، پھر آپؐ نے **الطلاق مرتان** الخ آیت تلاوت کی[3]''

معلوم ہوا کہ اب اسلام کا یہ قانون بنا دیا گیا کہ وہ طلاق جس کے بعد رجعت کا حق ہے وہ صرف دو ہے، اس کے بعد اگر ایک بھی طلاق دی جائے گی۔ (چاہے یہ سب ایک

---

[1] والذین یظاھرون من نسائھم ثم یعودون لما قالوا فتحریر رقبة من قبل ان یتمآسّا، الآیہ. فمن لم یجد فصیام شھرین متتابعین من قبل ان یتمآسّا. فمن لم یستطع فاطعام ستین مسکیناً، الآیہ۔ (سورۂ مجادلہ، آیت ۳-۴)

[2] کان کذلک الطلاق المنھی عنہ ھو منکر من القول وزوراً حرمة واجبة وقد رأینا رسول اللہ ﷺ لما سالہ عمر بن الخطاب عن طلاق عبد اللہ وامرأتہ وھی حائض أمرہ بمراجعتھا وتواترت عنہ بذلک الآثار وقد ذکرتھا فی الباب الاوّل ولایجوز أن یؤمر بالمراجعة من لم یقع طلاقہ فلما کان النبیؐ قد الزمہ الطلاق فی الحیض وھو وقت لا یحل ایقاع الطلاق فیہ کان کذلک ومن طلق اِمرأتہ ثلاثاً وقع کلا فی وقت الطلاق من ذلک ماالزم نفسہ وان کان قد فعلہ علی خلاف ما أمربہ۔ (شرح معانی الآثار ۲/۳۲)

[3] عن عکرمة عن بن عباس قال والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلاثة قروء ولایحل لھن ان یکتمن ماخلق اللہ فی ارحامھن. الآیہ، وذلک ان الرجل کان اذا طلق امرأتہ فھو احقّ برجعتھا وان طلقھا ثلاثاً فنسخ ذلک فقال الطلاق مرتان، الآیہ۔ (ابوداؤد ۱/۲۹۷)

ساتھ ہوں یا الگ الگ اس لیے کہ آیات قرآنیہ مین کہیں اس تفریق کی دلیل نہیں ہے[1] تو وہ عورت اپنے شوہر کے لیے حلال نہ رہے گی۔

حضرت ابن عباسؓ کے مذکورہ قول کے مطابق جس پس منظر میں اس قانون کی تشکیل ہوئی ہے وہ صاف طور پر اس کا متقاضی ہے کہ تین کے وقوع کے بعد شوہر کو رجعت کا حق حاصل نہ ہو، کیونکہ تین کے بعد بھی اگر ہم رجعت کا حق باقی رکھیں گے تو نسخ سے پہلے اور بعد کے حکم میں کوئی زیادہ فرق نہ رہے گا، جو صراحتاً آیت قرآنی کے منشاء کے خلاف ہے۔

(۳) یہی وجہ ہے کہ زمانہ نبوی میں کئی ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ آپ نے علی الاطلاق تین طلاقوں کو نافذ فرمایا ہے۔ امیر المومنین فی الحدیث امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری (المتوفی ۲۵۶ھ) نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''الجامع الصحیح'' میں ایک باب قائم فرمایا ہے ''تین طلاق کو نافذ کرنے کا بیان'' اور اس کے تحت مشہور صحابی حضرت عویمر عجلانیؓ کا واقعہ لکھا ہے کہ وہ جب اپنی بیوی کے ساتھ لعان کر کے فارغ ہوئے تو انھوں نے کہا۔

''میں اگر اب بھی اس عورت کو ساتھ رکھوں تو جھوٹا کہلاؤں گا، پھر انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم فرمانے سے قبل ہی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں[2]''

ابوداؤد شریف میں اس روایت کی مزید وضاحت اس طرح کی گئی ہے:

''پس انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تین طلاقیں دے دیں جنھیں آپ نے نافذ فرمایا اور جو کام آنحضرتؐ کے سامنے کیا جائے وہ سنت ہوتا ہے[3]''

اس روایت سے پتہ چلا کہ:

---

[1] قال القرطبی: وحجة الجمھور فی اللزوم من حیث النظر ظاھرة جداً وھو ان المطلقة ثلاثاً لاتحل للمطلق حتی تنکح زوجاً غیرہ ولا فرق بین مجموعھا ومفرقھا لغة و شرعاً الخ۔ (قرطبی بحوالہ فتح الباری ۹/۳۶۵)

[2] فتلاعنا وانا مع الناس عند رسول اللہ ﷺ فلما فرغا من تلاعنھما قال عویمر کذبتُ علیھا یا رسول اللہ ان امسکتھا فطلقھا ثلاثاً قبل ان یامرہ' رسول اللہ ﷺ ۔الحدیث (بخاری شریف ۲/۷۹۹، حدیث نمبر ۵۱۰۷)

[3] قال فطلقھا ثلٰث تطلیقات عند رسول اللہؐ فانفذہ' رسول اللہ ﷺ وکان ماصنع عند النبیؐ سنّة. الحدیث۔ (ابوداؤد ۱/۳۰۶)

(الف) حضرات صحابہؓ زمانہ نبوی میں تین طلاقیں دیتے تھے،
(ب) اور خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین کو نافذ فرمایا، جبکہ واقعہ بیک وقت تین طلاق دینے کا تھا۔ یہاں یہ واضح رہے کہ اگرچہ ائمہ اربعہ کا مذہب یہی ہے کہ لعان میں طلاق کے ذریعے تفریق کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ خود لعان ہی سے تفریق ہو جاتی ہے لیکن یہاں ان صحابی کے اکٹھے تین طلاق کے الفاظ استعمال کرنے پر پیغمبر علیہ السلام کا نکیر نہ فرمانا اس بات پر دلیل ہے کہ تین طلاقوں کا وقوع صحابہ میں مشہور و معروف تھا۔ (فتح الباری ۹/۳۶۷)
(۴) امام بخاریؒ نے اسی باب میں ایک دوسرا واقعہ بھی لکھا ہے:
''حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔ عورت نے دوسرا نکاح کر لیا۔ دوسرے شوہر نے (جماع سے قبل) طلاق دے دی، اس نے پوچھا کہ وہ عورت کیا پہلے شوہر کے لیے حلال ہو گئی؟ آپ نے جواب دیا نہیں[۱]''
یہ حدیث بھی تین طلاق کو تین ماننے پر صریح ہے، اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین کے بعد بلا حلالہ رجعت سے منع فرمایا ہے خواہ تین طلاقیں اکٹھی دی جائیں یا الگ الگ۔
(۵) اس کے علاوہ بھی کئی واقعات ذخیرۂ حدیث میں ملتے ہیں جن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین طلاقوں کو بائنہ قرار دیا ہے۔
''مصنف عبدالرزاق میں ہے حضرت عبادہ بن الصامتؓ کی روایت ہے کہ ان کے والد نے اپنی اہلیہ کو ہزار طلاقیں دے دیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کا علم ہوا تو آپ نے تین کو نافذ فرمایا اور بقیہ نو سو ستانوے کو لغو اور ظلم قرار دیا[۲]''
''امام دار قطنی نے حضرت ابن عمرؓ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ انھوں نے آنحضرتؐ سے

---

[۱] عن عائشة ان رجلاً طلق امرأته ثلاثاً فتزوّجت فطلق فسئل النبی ﷺ أتحل لاوّل قال لا۔ (بخاری شریف ۱/۷۹۱، حدیث نمبر ۵۰۶۰)
[۲] عن عبادة بن الصامت قال طلق جدّی امرأته ألف تطليقة فانطلق ابی الی رسول الله ﷺ فذكر ذلک له فقال النبیّ أما اتّقى الله جدک، اما ثلاث فله وأما تسع مأة وسبعة وتسعون فعدوان وظلم، ان شاء الله تعالى عذّبه وان شاء غفرله۔
(مصنف عبدالرزاق ۶/۳۹۳، حدیث نمبر ۱۱۳۳۹)

دریافت کیا کہ اگر میں اپنی بیوی کو تین طلاق دے دیتا تو کیا مجھے رجوع کا حق رہتا؟ اس پر آپؐ نے جواب دیا: نہیں، اس وقت تمھاری بیوی بائنہ ہو جاتی اور یہ گناہ کا کام ہوتا[۱]''
اسی طرح امام حسنؓ کا واقعہ ذکر کیا ہے کہ
''انھوں نے اپنی ایک بیوی کو تین طلاقیں دے دی تھیں۔ بعد میں ایسے احوال پیش آئے کہ عورت نے رجعت کی خواہش کی تو حضرت حسنؓ نے افسوس کے ساتھ فرمایا کہ اگر مجھے اپنے نانا (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کی یہ حدیث نہ پہنچی ہوتی کہ تین طلاق کے بعد بیوی نہیں رہتی تو میں اس سے رجوع کر لیتا[۲] (ملخصاً)''
حاصل یہ ہے کہ تین طلاق کے واقعات خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش آئے اور آپ نے انھیں تین ہی قرار دیا۔ اور آپ کے بعد اکابر صحابہ و تابعین یہی فتویٰ دیتے رہے۔ ابن عباسؓ جن کی رائے پہلے اس بارے میں مختلف تھی بعد میں شدت کے ساتھ تین طلاق کو تین ماننے کا فتویٰ دیتے تھے[۳]

کچھ مغالطے

(۱) یہاں ایک دوسرا پہلو بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے، جس کے بغیر بحث بالکل نا تمام رہے گی۔ وہ یہ کہ اس مسئلہ میں باقاعدہ بلکہ منصوبہ بند طریقہ پر ایسے مغالطوں کو فروغ دیا گیا ہے جنھیں دیکھ کر خالی الذہن شخص بتلائے فریب ہو جاتا ہے۔ ان مغالطوں کی بنیادی وجہ احادیث کے متعدد طرق پر نظر نہ رکھنا ہے جو ہر زمانہ میں جدت پسندوں کی ضلالت کی

---

[۱] فقلت یا رسول الله لوأنّی طلقتها ثلاثاً أكان يحل لی ان اراجعها قال لا كانت تبين منها وتكون معصية، الخ۔ (دارقطنی ۲/۴۳۸)
[۲] وقال لولا انی ابنتُ الطلاق لها لراجعتها ولكنی سمعت رسول الله ﷺ يقول ايمارجل طلق امرأته ثلاثاً عند كل طهر تطليقة اوعند رأس كل شهر تطليقة او طلقها ثلاثاً جميعاً لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره، الخ۔ (دارقطنی ۲/۴۳۸)
[۳] عن بن عباس و ابی هريرة وعبد الله بن عمرو بن العاص سئلوا عن البكريطلقها زوجها ثلاثاً فكلهم قالوا: لاتحل له حتى تنكح زوجاً غيره الخ۔ (ابوداؤد ۱/۲۹۹)

بنیا درہی ہے[1]

اس سلسلے کا سب سے اہم مغالطہ حضرت رکانہ ابن عبد یزیدؓ کی روایت ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ انھوں نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دیں اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں صرف ایک طلاق رجعی قرار دیا۔ غیر مقلد حضرات بڑے زور و شور سے اس روایت کو اپنے استدلال میں پیش کرتے ہیں، حالانکہ اس روایت کے الفاظ میں اختلاف ہے۔ بعض روایات میں تین مرتبہ طلاق کا ذکر ہے اور بعض میں لفظ ''البتۃ'' سے طلاق کا تذکرہ ہے۔ اور امام ابوداؤدؒ نے البتۃ والی روایت ہی کی تصحیح فرمائی ہے۔ ابوداؤدؒ کی روایت یہ ہے:

''رکانہ کے پڑپوتے عبداللہ بن علی بن یزید بن رکانہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رکانہؓ نے اپنی زوجہ کو ''البتۃ'' کے لفظ سے طلاق دی تھی (جس میں ایک اور تین دونوں مراد لینے کا احتمال تھا) پھر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے پوچھا تمھاری مراد اس سے کیا تھی؟ رکانہ نے جواب دیا ''ایک'' اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رکانہ کو قسم دلائی اور جب انھوں نے قسم کھالی تو آپ نے فرمایا وہی مراد ہے جو تم نے ارادہ کیا۔

اس روایت پر امام ابوداؤد نے درج ذیل محدثانہ تبصرہ کیا ہے:

یہ روایت ابن جریج کی اس رویت کے مقابلے میں اصح ہے جس میں ابورکانہ کے تین طلاق دینے کا ذکر ہے کیونکہ اس روایت کے نقل کرنے والے رکانہ کے اہل خانہ ہیں جو حقیقتِ حال کو زیادہ جاننے والے ہیں[2]

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اصل واقعہ ''البتۃ'' سے طلاق دینے کا ہے۔ بعض راویوں

---

[1] سالنی بعض اصحابنا من اھل العلم ان اصنع له کتاباً اذکر فیه الآثار الماثورة عن رسول الله ﷺ فی الاحکام التی یتوھم اھل الالحاد و الضعفة من اھل الاسلام ان بعضھا ما ینقص بعضاً لقلة علمھم بناسخھا من منسوخھا، الخ۔ (شرح معانی الآثار ۱/۶)

[2] عن عبد الله بن علی بن یزید ابن رکانة عن ابیه عن جدہٖ انه طلق امرأته البتة فاتی رسول الله ﷺ فقال ماالسردت قال واحدة قال والله قال والله قال ھو علی ماأردت قال ابوداؤد ھذا اصح من حدیث ابن جریج ان رکانة طلق امرأته ثلاثاً لانھم اھل بیتہٖ وھم اعلم به، الخ۔ (ابوداؤد، ۱/۳۰۱، ۳۰۰)

نے غلطی سے تین طلاق نقل کردی ہے، اسی بنا پر حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے:

اس نکتہ سے ابن عباسؓ کی حدیث (رکانہ) سے استدلال کا موقع ختم ہوجاتا ہے[1]

اور صحیح اور راجح روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رکانہ کو قسم دلانا اس پر شاہد ہے کہ اگر رکانہ کی مراد تین کی ہوتی تو تین ہی واقع کی جاتیں، اور اس اعتبار سے یہ حدیث تین کو ایک ماننے کی نہیں بلکہ بیک وقت تین طلاق کے وقوع کی کھلی دلیل ہے۔

(۷) مسئلہ زیر بحث میں دوسرا بڑا مغالطہ فیصلہ فاروقی کے بارے میں دیا جاتا ہے کہ خلیفۂ دوئم حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا تین طلاقوں کو تین قرار دینے کا فیصلہ محض وقتی استثناء اور انتظامی حکم (ایگزیکیٹیو آرڈر) تھا، اسی حیثیت سے حضرات صحابہؓ نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ اس کی حیثیت شرعی حکم نہ تھی کہ اسے بہر حالت مانا جائے۔

اس اہم مسئلہ میں (جو اپنے اندر حلت و حرمت کے معنی رکھتا ہے) حضرت عمرؓ کے فیصلہ اور صحابہؓ کے اجماع کو محض انتظامیہ اور سیاسی تدبیر و تعزیر قرار دینا بہت بڑی جسارت اور نئے زمانہ کے جدت پسندوں کی دماغی ایجاد ہے جس کا کوئی سر پیر نہیں کیونکہ:

(الف) علماء سلف میں سے کسی نے اس فیصلہ کو وقتی استثناء کے درجہ میں نہیں رکھا۔

(ب) حلت و حرمت کے مسئلہ میں صاحبِ شریعت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو اپنی طرف سے رائے قائم کرنے کی ہرگز اجازت نہیں ہے خواہ وہ وقتی استثناء ہو یا انتظامی حکم۔

(ج) جو واقعات خود دور نبوی میں پیش آچکے ہوں اور ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین طلاق کے نفاذ کا حکم دیا ہو انھیں جیسے واقعات میں حضرت عمرؓ کا تین قرار دینے کا فیصلہ حکم شرعی سے کیسے خارج ہوسکتا ہے۔

(۸) فیصلۂ فاروقی کے انتظامی ہونے پر یہ دلیل دی جاتی ہے کہ حضرت عمرؓ تین طلاق دینے والے کو کوڑے سے سزا دیتے تھے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ استدلال ناواقفیت پر مبنی ہے۔

احقر کے علم میں کم از کم دو اور واقعات حضرت فاروق اعظمؓ کے دور حکومت میں اس طرح کے پیش آئے ہیں کہ آپ نے تحقیق کر کے کوئی اعلان کیا ہے اور اس پر صحابہ کا اجماع ہوگیا ہے۔ پھر آپ نے فرمان جاری کیا ہے کہ جو اس کے خلاف کرے گا وہ سزایاب ہوگا۔

---

[1] فبھذہ النکتة یقف الاستدلال بحدیث ابن عباس، الخ۔ (فتح الباری ۹/۳۶۳، حدیث نمبر ۵۲۶۱)

(الف) ان میں ایک واقعہ متعہ کی حرمت کا ہے۔ امام مسلم نے حضرت جابرؓ کی روایت نقل کی ہے کہ دورِ نبوی، دورِ صدیقی اور ابتدائی دورِ فاروقی میں متعہ کیا جاتا رہا، پھر ہمیں حضرت عمرؓ نے روک دیا، پس ہم رُک گئے[1]

بعینہٖ اسی طرح کے الفاظ ہیں جو حضرت ابن عباسؓ سے تین طلاق کو ایک ماننے کے متعلق نقل کیے جاتے ہیں۔ اور حضرت عمرؓ کا متعہ کی حرمت کے متعلق فیصلہ بھی اہل سنت (بشمول اہل حدیث) کے نزدیک مسلم ہے، کسی نے اسے وقتی استثناء یا انتظامی حکم قرار نہیں دیا، کیونکہ سب کو معلوم ہے کہ حضرت عمرؓ کوئی ایسا حکم نہیں دے سکتے جو نصوص (قرآن و حدیث) کے خلاف ہو۔ واقعہ میں یہ متعہ کی منسوخی کے حکم کا اظہار تھا جو دورِ نبوی میں ہی طے ہو چکا تھا، مگر بعض صحابہؓ کو اس کی منسوخی کا علم نہ تھا۔ حضرت عمرؓ نے سب کو باخبر کر دیا۔

(ب) اسی سے ملتا جلتا دوسرا مسئلہ جماع بلا انزال (التقاء ختانین) سے غسل واجب ہونے کا ہے۔ صحابہؓ اس بارے میں مختلف تھے۔ حضرت عمرؓ نے تحقیق حال کے بعد یہ حکم جاری کیا:

''اگر آئندہ مجھے پتہ چلا کہ کسی نے جماع (بلا انزال) کے بعد غسل نہیں کیا تو میں اسے سخت ترین سزا دوں گا[2]''

حضرت عمرؓ کے اس حکم کو سب صحابہ نے حکم شرعی کے بطور قبول کر لیا۔ کسی نے اسے وقتی استثناء نہیں قرار دیا اس لیے کہ یہ حکم فاروقی نہ تھا بلکہ حکم سابق (عدم وجوب غسل) کی منسوخی کا اظہار تھا۔

(ج) تقریباً یہی نوعیت تین طلاق کے مسئلہ میں پیش آئی۔ تین طلاق کے بعد رجعت کا حکم منسوخ ہو چکا تھا جیسا کہ سنن ابی داؤد میں مذکور حدیث ابن عباسؓ سے معلوم ہوتا ہے۔ بعض صحابہ کو اس کی منسوخی کا علم نہ تھا تاآنکہ حضرت عمر فاروق اعظمؓ نے اس حکم کا باقاعدہ اعلان فرمایا ان کا یہ اعلان اپنی طرف سے وقتی مصلحت یا استثناء کے بطور نہیں تھا بلکہ قرآن و

---

[1] عن جابر بن عبد الله يقول كنا نستمتع على عهد رسول الله ﷺ وابى بكر حتى نهى عنه عمر. (وفى رواية عنه) ثم نهانا عنهما عمر فلم نعد لهما. الحديث الخ۔
(مسلم شریف ۱/۴۵۱)

[2] فقالت (عائشةؓ) اذا جاوز الختان الختان فقد وجب الغسل فقال عمر عند ذالك لااسمع احداً يقول الماء من الماء الاجعلته نكالاً الخ۔ (شرح معانی الآثار ۱/۳۶)

حدیث سے ماخوذ تھا اور صحابہؓ نے اسی حیثیت سے اس سے اتفاق کیا تھا۔ وہ صحابہؓ جو حضرت عمرؓ کو ''مہر'' کی زیادتی پر پابندی کے ارادہ پر سختی سے ٹوکنے کی جرأت رکھتے تھے ان کے ساتھ یہ بڑی ناانصافی ہے کہ انھیں نعوذ باللہ خصوصی انتظام کی آڑ میں حضرت عمرؓ کے ایک غیر شرعی فیصلہ کی موافقت کا ملزم گردانا جائے۔

خود مشہور اہل حدیث عالم مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی (متوفی ۱۳۷۵ھ) نے فیصلہ فاروقی کو سیاسی ماننے کی سختی سے تردید کی ہے۔

(اخبار اہل حدیث ۱۵/نومبر ۱۹۲۹ء، بحوالہ عمدۃ الاثاث، ص ۹۷)

(۹) فاروقی فیصلہ کے حکم شرعی ہونے کی تائید ابوداؤد کی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں صراحت ہے کہ حضرت عمرؓ کا فیصلہ غیر مدخولہ کے بارے میں تھا جو متعدد الفاظ سے طلاق کے وقت پہلے ہی لفظ سے بائنہ ہو جاتی ہے[1]۔ ایسی صورت میں مدخولہ و غیر مدخولہ کے درمیان حکم کی تفریق بلاشبہ شرعی حکم کے اعتبار سے ہوگی، کیونکہ انتظامی حیثیت سے مدخولہ و غیر مدخولہ کے معاملات یکساں ہیں۔

(۱۰) مصنف عبدالرزاق کی ایک روایت سے بھی اس فیصلہ کے خالص شرعی ہونے کا پتہ چلتا ہے۔

''ابوالصہباء نے اس شخص کے بارے میں سوال کیا جو اپنی بیوی کو تین طلاق دے دے تو حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا کہ لوگ انھیں ایک کہتے تھے عہد نبوی، عہد صدیقی اور ابتدائی عہد فاروقی میں حتیٰ کہ حضرت عمرؓ نے خطبہ دیا کہ اے لوگو! تم نے طلاق پر بہت کثرت کر دی، اب آئندہ جو شخص جیسا لفظ بولے گا ویسا ہی سمجھا جائے گا۔ فمن قال شيئاً فهو على ماتكلم[2]''

---

[1] اذا طلق امرأته ثلاثاً قبل ان يدخل بها جعلوها واحدةً على عهد رسول الله ﷺ وابى بكر و صدراً من امارة عمرؓ فلما رأى الناس قد تتابعوا فيها قال اجيزوهن عليهم، الخ۔ (ابوداؤد شریف ۱/۲۹۹)

[2] فسأله ابو الصهباء عن الرجل يطلق امرأته ثلاثاً جميعها فقال ابن عباس كانوا يجعلونها واحدةً على عهد رسول الله ﷺ وابى بكر و ولاية عمر الا اقلها حتى خطب عمر الناس قد اكثرتم فى هذا الطلاق فمن قال شيئاً فهو على ماتكلم به۔
(مصنف عبدالرزاق ۶/۳۹۲-۳۹۳، حدیث ۱۱۳۳۸)

اس روایت نے دودھ کا دودھ پانی کا پانی کردیا کہ واقعہ یہ تھا کہ پہلے لوگ طلاق کا لفظ کئی مرتبہ بول کر تاکیداً ایک ہی مراد لیتے تھے اور چونکہ صدق وصلاح کا زمانہ تھا اس لیے نیت تاکید کی بنا پر طلاق بھی ایک ہی شمار ہوتی تھی۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں لوگ اس کا بکثرت استعمال کرنے لگے اور پوچھنے پر کہہ دیتے کہ ہماری مراد تو تاکید کی تھی، تو حضرت عمرؓ نے صاف اعلان کردیا کہ دلی مراد چونکہ معلوم نہیں، اور صدق وصلاح کا پہلا سا معیار باقی نہیں رہا لہٰذا اب آئندہ محض ظاہری الفاظ کا اعتبار ہوگا، نیت کا اعتبار نہ ہوگا۔ یہ حکم قضاء کے اصول شرعیہ کے مطابق تھا کیونکہ قضاء میں ظاہر پر فیصلہ کیا جاتا ہے، حنفیہ کا بھی یہی مذہب ہے کہ متعدد الفاظ طلاق استعمال کرتے وقت قضاء تاکید کی نیت معتبر نہیں ہوتی، دیانت کا معاملہ دوسرا ہے۔[1]

الغرض کوئی ایسی معتبر دلیل نہیں ہے کہ فیصلہ فاروقی کو وقتی استثناء یا انتظامی حکم پر محمول کیا جائے۔

(۱۱) جب یہ حکم شرعی ہے تو اس پر عمل کے لیے یا فتویٰ دینے کے لیے کسی بااختیار حاکم کا ہونا ضروری نہیں بلکہ ہر مسلمان پر اس کی پابندی لازم ہے، جیسا کہ مسئلہ متعہ اور مسئلہ جماع بلا انزال میں یہی حکم ہے۔

کیا حضرت علیؓ اجماع کے خلاف تھے؟

(۱۲) امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اجماعِ فاروقی سے اختلاف کرنے والا بتایا جاتا ہے جو حقیقت کے بالکل خلاف ہے۔ سلیمان اعمش کے نقل کردہ ایک واقعہ سے اس کی قلعی کھل جاتی ہے جسے حافظ ابن رجب حنبلی نے اپنی کتاب ''شرح مشکل الاحادیث الواردۃ'' میں لکھا ہے:

''اعمش کہتے ہیں کہ کوفہ میں ایک بوڑھا شخص حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے سماعاً یہ روایت نقل کرتا تھا کہ اگر کوئی شخص ایک مجلس میں تین طلاق دے دے تو وہ ایک ہی شمار

[1] کرّر لفظ الطلاق وقع الکل وان نوی التاکید دین، الخ۔
(ردالمحتار کراچی ۳/۲۹۳، زکریا ۴/۵۲۱)

ہوگی، اور لوگوں کا تانتا اس کے پاس بندھا ہوا تھا، لوگ آتے تھے اور یہ حدیث اس سے بغور سنتے تھے۔ (اعمش کہتے ہیں) میں بھی اس کے پاس گیا اور پوچھا کہ کیا آپ نے حضرت علیؓ سے حدیث سنی ہے، اس نے مجھے بھی مذکورہ بالا حدیث سنادی، تو میں نے دریافت کیا کہ کہاں سنی؟ تو اس نے کہاں کہ میں آپ کو اپنی کاپی دکھاتا ہوں۔ چنانچہ وہ کاپی نکال کر لایا، کاپی میں نے دیکھی تو اس میں یہ لکھا تھا: میں نے حضرت علیؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص ایک مجلس میں اپنی بیوی کو تین طلاق دے تو وہ اس سے بائنہ ہوجائے گی اور دوسرے شوہر سے نکاح کیے بغیر اس کے لیے حلال نہ ہوگی، اس پر میں نے سوال کیا کہ تعجب ہے، یہ روایت تو تمھاری زبانی روایت کے خلاف ہے، اس نے کہا صحیح یہی (کاپی کی) ہے، لیکن لوگ مجھ سے وہی کہلوانا چاہتے ہیں۔ (بحوالہ النجاۃ الکاملۃ ص ۱۱-۱۲، ج۱)

روایت سے معلوم ہوگیا کہ حضرت علیؓ کا مسلک کیا تھا؟ دراصل ان کی طرف اجماع سے اختلاف کی نسبت روافض کے پروپیگنڈے کا جزو ہے، حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

قابل ذکر شہادت

(۱۳) اخیر میں ہم اس بحث سے متعلق مشہور غیر مقلد عالم مولانا ابوسعید شرف الدین دہلوی کی منصفانہ شہادت نقل کرتے ہیں جس سے مسئلہ کی حقیقت پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ ملاحظہ کریں:

''یہ (تین طلاق کو ایک ماننے کا) مسلک صحابہ، تابعین وتبع تابعین وغیرہ ائمہ محدثین ومتقدمین کا نہیں ہے، یہ مسلک سات سوسال بعد کے محدثین کا ہے جو شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے فتاویٰ کے پابند اور ان کے معتقد ہیں۔ یہ فتویٰ شیخ الاسلام نے ساتویں صدی کے آخر یا اوائل آٹھویں میں دیا تھا تو اس وقت کے علماء نے ان کی سخت مخالفت کی تھی۔ نواب صدیق حسن خاں صاحب نے ''اتحاف النبلاء'' میں جہاں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے تفردات لکھے ہیں۔ اس فہرست میں طلاق ثلاث کا مسئلہ بھی لکھا ہے کہ جب شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے تین طلاق کے ایک مجلس میں ایک طلاق ہونے کا فتویٰ دیا تو بہت شور ہوا۔ شیخ الاسلام اور ان

کے شاگرد ابن قیم پر مصائب برپا ہوئے۔ ان کو اونٹ پر سوار کر کے درّے مار مار کر شہر میں پھرا کر توہین کی گئی۔ قید کیے گئے اس لیے کہ اس وقت یہ مسئلہ علامت روافض کی تھی۔

(اتحاف، ص۳۱۸، بحوالہ عمدۃ الاثاث ۱۰۳،)

سعودی عرب کے اکابر علماء کا فیصلہ

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ سعودی عرب کی اعلیٰ ترین فقہی مجلس ہیئۃ کبار العلماء نے ۱۳۹۳ھ میں پوری بحث و تمحیص کے بعد بالاتفاق یہ فیصلہ کیا ہے کہ ایک وقت میں دی گئی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوں گی۔ یہ پوری بحث اور مفصل تجویز مجلۃ البحوث الاسلامیہ ۱۳۹۷ھ میں ۱۵۰ صفحات میں شائع ہوئی ہے جو اس موضوع پر ایک وقیع علمی دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس فیصلہ میں سعودی عرب کے جو اکابر علماء شریک رہے ان کے اسماء گرامی ذیل میں درج ہیں۔ (۱) شیخ عبدالعزیز بن بازؒ (۲) شیخ عبداللہ بن حمیدؒ (۳) شیخ محمد امین الشنقیطی (۴) شیخ سلیمان بن عبید (۵) شیخ عبداللہ خیاط (۶) شیخ محمد حرکان (۷) شیخ ابراہیم بن محمد آل الشیخ (۸) شیخ عبدالرزاق عفیفی (۹) شیخ عبدالعزیز بن صالح (۱۰) شیخ صالح بن غصون (۱۱) شیخ محمد بن جبیر (۱۲) شیخ عبدالمجید حسن (۱۳) شیخ راشد بن خنین (۱۴) شیخ صالح بن لحیدان (۱۵) شیخ محضار عقیل (۱۶) شیخ عبداللہ ابن غدیان (۱۷) شیخ عبداللہ ابن منیع۔

تعجب ہے کہ غیر مقلد حضرات جو ہر معاملہ میں حرمین کے علماء کا حوالہ دیتے ہیں اس مسئلہ میں علماء سعودی عرب کی رائے اور موقف کو بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں حالانکہ علامہ ابن تیمیہؒ سے حد درجہ متاثر ہونے کے باوجود علماء سعودی عرب کا اس مسئلہ میں ابن تیمیہؒ کے موقف سے عدول کرنا خود اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ ابن تیمیہؒ کے مسلک میں کوئی قوت نہیں ہے ورنہ سعودی علماء اس سے ہرگز صرف نظر نہ کرتے۔

فائدہ کیا ہے؟

(۱۴) یہاں ایک غلط فہمی کا ازالہ بھی ضروری ہے۔ وہ یہ کہ تین طلاق کو ایک قرار دینے کے نظریہ کو اہم اصلاحی عمل کی حیثیت سے متعارف کرایا جاتا ہے جبکہ یہ نری خام خیالی ہے،

غور کیا جائے تو یہ نظریہ عورتوں کے ساتھ ناانصافی کا سبب ہے کیونکہ:

الف: اس کا سارا فائدہ اس مرد کو پہنچتا ہے جو انجام کا لحاظ کیے بغیر تین طلاقیں دے دے اور بعد میں پشیمان ہو۔

ب: یہ نظریہ عورت کو مجبور کرتا ہے کہ وہ پھر اسی ناقدرے کے ساتھ کڑوی زندگی گذارے۔

ج: اس نظریہ کی وجہ سے مرد طلاق دینے پر جری ہو جاتے ہیں۔

د: جو عورتیں شوہر کی زیادتیوں سے تنگ رہتی ہیں ان کی گلوخلاصی مشکل تر ہو جاتی ہے۔

ہ: تین طلاق کے بعد رجعت کرنے والا شخص جمہور کے نزدیک حرام کار قرار پاتا ہے۔

ہ: اجماع امت کو چھوڑنے کے رجحان سے غیروں اور دشمنوں کو دیگر دینی مسائل میں دخل اندازی کا موقع مہیا ہوتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔

اس کے برخلاف تین طلاق کو تین ماننے سے مذکورہ کوئی خرابی لازم نہیں آتی، زیادہ سے زیادہ دو باتیں کہی جا سکتی ہیں۔ اول یہ کہ مطلقہ عورت کی کفالت کا نظم کیسے ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مشکل صرف تین کو تین ماننے کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ تین کو ایک ماننے کی صورت میں بھی پیش آ سکتی ہے جبکہ رجعت نہ ہو یا تین طہروں میں الگ الگ طلاق ہو۔ اصل میں یہ ایک معاشرتی مسئلہ ہے۔ اس کا حل صرف یہ ہے کہ عورت کا دوسرا نکاح ہو یا اہل خاندان اس کی کفالت کریں۔ دوسری مشکل یہ بتائی جاتی ہے کہ تین کو تین ماننے سے حلالہ کا حکم دینا لازم آتا ہے (جو بقول معترض بڑی بے شرمی کی بات ہے!) تو یہ اعتراض حلالہ کی شرعی کیفیت اور صورت سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔ شریعت اسلامی میں حلالہ کوئی منصوبہ بند عمل نہیں بلکہ منصوبہ کے ساتھ حلالہ کرنے اور کرانے والے پر لعنت وارد ہوتی ہے[1] حلالہ کا مطلب صرف یہ ہے کہ مطلقہ اس وقت تک دوبارہ طلاق دینے والے کے نکاح میں نہ آئے جب تک کہ وہ دوسرے مرد سے نکاح نہ کر لے پھر (اتفاقاً) اس سے جدائی ہو جائے۔ یہ حکم تین طلاق دینے والے کے لیے بڑی اہم نفسیاتی سزا ہے۔ حلالہ

[1] عن الحارث و عن علی قالا ان رسول اللہ صلعم لعن اللہ المحلّل والمحلل لہ، الحدیث۔ (ترمذی شریف ۱/۲۱۳)

عورت کے لیے باعثِ عیب نہیں کیونکہ وہ اس کا دوسرا شرعی نکاح ہے اور بہت ممکن ہے کہ اس کا دوسرا رفیق حیات پہلے سے اچھا ہو، البتہ باغیرت مرد کے لیے یہ شرم کی بات ہے کہ اس کی بیوی دوسرے کے نکاح میں جائے، جو شخص اس حکم کو ذہن میں رکھے گا۔ وہ کبھی بھی تین طلاق کی جرأت نہ کرے گا۔

کرنے کا کام

(۱۵) بحث اس لیے لمبی ہوگئی کہ بزعم خود مفکرین و مجتہدین کے مغالطوں کی توضیح ضروری تھی۔ ورنہ کہنے کی بات صرف اتنی ہے کہ اس وقت جبکہ ملّی اتحاد اور معاشرتی اصلاح کی سخت ضرورت ہے ہمارے لیے طلاق کے مسئلے میں الجھنا چنداں مفید نہیں ہے، ہمیں اسلامی طریقہ طلاق میں تبدیلی کی بحث میں پڑنے کے بجائے اپنی صلاحیتیں اور وسائل عوام کو سمجھانے اور انھیں صحیح راہ دِکھانے پر صرف کرنے چاہئیں۔ بیک وقت ایک طلاق دینا بالاتفاق مستحسن ہے۔ اسی نکتہ پر سب زور دیں اور اسی کو رائج کریں۔ اس طرح کثرت طلاق کی وبا بھی کم ہوگی اور ہمارا مقصود بھی حاصل ہوگا۔ اب بھی وقت ہے کہ ہم اپنے آپ کو سنبھالیں ورنہ یہ ہماری کج بحثی ایسے نت نئے مسائل کھڑے کرے گی کہ ہمیں ان سے نمٹنا مشکل ہو جائے گا۔

تین طلاق کو ایک طلاق ماننے کے مفاسد

تین طلاقوں کو ایک طلاق رجعی قرار دینے کے متعلق اہل حدیث کے فتویٰ کی آڑ میں ایک طرف قومی ذرائع ابلاغ اور میڈیا اسلامی شریعت پر طعن و تشنیع اور تنقید و توہین کا بازار گرم کیے ہوئے ہے تو دوسری طرف نام نہاد مسلم دانشوروں اور جدت پسندوں کی بھی خوب بن آئی ہے اور وہ بھی جی بھر کر اخبارات و رسائل میں فقہ اسلامی پر اپنے سربستہ زہریلے خمار کو ظاہر کر کے اسلام دشمنوں کو مواد فراہم کرنے کا "ملّی فریضہ" انجام دے رہے ہیں۔

یہ صورتِ حال پوری ملتِ اسلامیہ ہند کے لیے حد درجہ باعثِ تشویش ہے، سوچنا یہ ہے کہ آخر اس قومی پریس کو جو مسلمانوں سے متعلق ایک لائن کی خبر چھاپنے میں بھی بخل

سے کام لیتا ہے، اسلامی طریقہ طلاق سے اچانک اتنی دلچسپی کیوں پیدا ہوگئی ہے؟ اور مسلم عورتوں سے ہمدردی اور خیر خواہی کے لیے اس کے پاس اتنا وقت کہاں سے نکل آیا ہے؟ دراصل یہ ایک سازش ہے مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے اور ان کی صفوں میں انتشار پیدا کرنے کی اور نام نہاد یکساں سول کوڈ کے لیے راستہ ہموار کرنے کی اور اس سازش کا افسوسناک پہلو یہ ہے کہ اسے پانی دیا ہے غیر مقلدین کے اس موقف نے جو امت کے اجماعی مسلک کے خلاف ہے۔ اور جسے امت نہایت قوی دلائل سے بار بار رد کر چکی ہے۔ حتیٰ کہ سعودی عرب کی مجلس کبار العلماء نے بھی پوری تحقیق و تنقید کے بعد جمہور کے مسلک کی تائید کی ہے اور آج کل سعودی عرب کی عدالتوں میں یہی قانون رائج ہے حالانکہ حکومت سعودیہ بڑی حد تک علامہ ابن تیمیہ کی رائے کی پابند رہتی ہے، مگر اس مسئلہ میں اس نے علامہ کی رائے کو چھوڑ دیا ہے جو صریح طور پر ان کے موقف کے کمزور ہونے کی دلیل ہے۔ میں اس بارے میں دلائل کی تفصیل بیان کرنا نہیں چاہتا اس لیے کہ اس موضوع پر ضخیم ضخیم کتابیں لکھی گئی ہیں اور غیر مقلدوں کی پیش کردہ دلیلوں کے ہر ہر جزء کا جواب دیا جا چکا ہے۔ اس لیے ان بحثوں کو اخبارات و رسائل کی زینت بنانا عوام کے لیے مفید نہیں بلکہ استدلال کی موشگافیاں انھیں مزید شکوک شبہات اور گمراہی میں مبتلا کر دیتی ہیں۔ بریں بنا نقلی دلائل سے قطع نظر میں اس بحث سے پیدا ہونے والے بنیادی نکتوں کی طرف توجہ دلانا چاہوں گا۔

دانشوروں اور پریس والوں کا یہ کہنا ہے کہ غیر مقلدین کے فتویٰ سے اسلامی طریقہ طلاق میں اصلاح کی امید پیدا ہوئی تھی مگر مولانا سیّد اسعد مدنی جیسے قدامت پسند علماء اور جمعیۃ علماء ہند اور دارالعلوم دیوبند جیسے تقلید پسند اداروں نے اس اصلاحی تحریک میں روڑے اٹکانے شروع کر دیئے۔ (دیکھئے انڈین ایکسپریس، ۹ر جولائی ۱۹۹۳ء، مدراس ایڈیشن)

یہاں سوال یہ ہے کہ جسے اصلاحی تحریک کہا جا رہا ہے وہ واقعتاً اصلاحی تحریک ہے یا اسے تخریبی کوشش کا نام دینا چاہیے کیونکہ اسے اصلاحی کوشش کا نام اسی وقت دیا جا سکتا ہے جب کہ وہ واقعتاً اپنے اندر ایسے ظاہر اور واضح فائدے رکھے جو دوسری صورت میں حاصل نہ ہو سکتے ہوں۔ یعنی اس امر پر غور کیا جائے کہ تین طلاق کو ایک ماننے سے آخر کیا ایسے واضح

فائدے مسلمانوں کے بگڑے ہوئے معاشرے کو مل جائیں گے جو تین کو تین ماننے سے نہیں مل سکتے۔

۱۔ کیا اس کی وجہ سے طلاق کی وبا کم ہو جائے گی؟
۲۔ کیا اس کی بنیاد پر عورت کا حق واختیار کچھ بڑھ جائے گا؟
۳۔ کیا تین کو ایک طلاق رجعی مان لینے سے مرد کو رجعت پر مجبور کیا جا سکے گا؟
۴۔ کیا اس بنیاد پر مرد سے تین طہروں میں تین طلاقیں دینے کا اختیار چھین لیا جائے گا؟
۵۔ کیا اس موقف کو تسلیم کر لینے سے عورت بھی اختیار طلاق میں مرد کے ساتھ شریک ہو جائے گی؟

میرے خیال میں کوئی اہل حدیث اور غیر مقلد عالم بھی ان سوالات کا جواب اثبات میں دینے کی ہمت نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ شریعت میں یہ طے شدہ امر ہے کہ طلاق دینے کا اختیار صرف مرد کو ہے وہ اپنے اختیار کو ہر طرح استعمال کر سکتا ہے۔ وہ اگر ایک طلاق دے کر بھی رجعت نہ کرنا چاہے تو کوئی اسے رجعت پر مجبور نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس پر عدت سے زیادہ مدت کا نان ونفقہ لازم کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح مرد کو تین طہروں میں تین طلاقیں دینے کا بالاتفاق حق حاصل ہے۔ کوئی اس سے اس حق کو نہیں چھین سکتا اس معاملے میں نہ وہ عورت کا پابند ہے نہ کسی اور شخص کا۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ اپنی بداخلاقی کا ثبوت دیتے ہوئے اس حق کا بے جا استعمال کرے تو اس کا گناہ اسے ملے گا لیکن اختیار شرعی سے وہ محروم نہ ہوگا۔ تو مآل کے اعتبار سے یہ نتیجہ نکلا کہ مرد اگر تین طلاق دینا چاہے تو اسے روکا نہیں جا سکتا۔ چاہے تین کو ایک قرار دیا جائے یا تین کو تین ہی مانا جائے۔ اس لیے اصلاح پسندی کے ڈھونگ رچانے والوں کو مطمئن رہنا چاہیے کہ وہ غیر مقلدین کے مسلک کے ذریعے طلاق کے اختیار میں مرد عورت کی بندر بانٹ کو ثابت نہیں کر سکتے جو ان کا اصل مقصود ہے۔ لہٰذا ان کے لیے اس بحث میں پڑنا قطعاً لاحاصل ہے۔ اس معاملہ میں غیر مقلدین بھی ان کا ساتھ نہیں دے سکتے۔

اب رہ گئی مسلم معاشرہ کی اصلاح کی بات یعنی معاشرہ میں بلاضرورت طلاق کے

استعمال کا جو رواج چل پڑا ہے اور جس کے نتیجہ میں نت نئی خرابیاں اور مشکلات وجود میں آرہی ہیں ان کا مداوا کیسے ہو؟ تو اس میں واقعتاً اصلاح کی ضرورت ہے۔ جس سے کوئی فرد انکار نہیں کر سکتا لیکن اس معاشرتی اصلاح کے لیے اصل حکم طلاق میں تبدیلی کرنے کا مشورہ دینا حق وانصاف کے قطعاً خلاف ہے اور دین کو بگڑے ہوئے معاشرے کے تابع کرنے کے مرادف ہے۔ خاص کر اس لیے بھی کہ غیر مقلدین کے جس موقف کو اصلاح کا عنوان دیا جارہا ہے وہ انجام کے اعتبار سے معاشرے کی اصلاح کا نہیں بلکہ اس میں مزید بگاڑ پیدا کرنے کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ اس لیے کہ اگر تین طلاقوں کو ایک طلاق رجعی قرار دیا جائے تو:

الف: مردوں کے دلوں سے طلاق کا خوف نکل جائے گا اور وہ طلاق دینے پر اور جری ہو جائیں گے کیونکہ وہ سمجھیں گے کہ جتنی چاہیں طلاق دے دیں وہ ایک ہی مانی جائے گی۔

ب: وہ عورتیں جو شوہروں کی بداخلاقی اور بدمعاملگی کا شکار ہیں اور ان سے گلوخلاصی چاہتی ہیں ان کے لیے اس مصیبت سے نکلنا دشوار تر ہو جائے گا۔

ج: تین کو ایک ماننے سے حرام کاری کا دروازہ کھلنے کا قوی اندیشہ ہے بایں طور کہ شوہر کئی طہروں میں کئی مرتبہ متعدد الفاظ سے طلاق دے چکا ہوگا مگر ہر بار پچھلے واقعات بتائے بغیر مفتی سے ایک طلاق رجعی کا فتویٰ حاصل کر لے گا حالانکہ تیسری طلاق کے وقوع کے بعد کسی کے نزدیک رجعت کی گنجائش نہیں رہتی۔

د: تین طلاق کو ایک قرار دینا امت کے اجماعی موقف میں دخل اندازی اور تغیر وتبدل کی نظیر بن جائے گا۔

ہ: یہ موقف صرف اپنی جگہ تک محدود نہیں رہے گا بلکہ اس پر بحث کی لپیٹ میں اسلام کا پورا عائلی نظام آئے گا جس کا کچھ اندازہ اس وقت جدت پسندوں کی تحریروں سے لگایا جا سکتا ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سے مفاسد ہیں جو اس مرجوح موقف کو اپنانے سے پیدا ہو سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان مفاسد کی موجودگی میں مسلمانوں کا بگڑا ہوا معاشرہ ہرگز سدھر نہیں سکتا بلکہ اور بگڑ جائے گا اور اس کے مقابلے میں جمہور علماء اور فقہاء امت کے موقف کو

اپنا کر اگر سنجیدگی کے ساتھ معاشرہ کی اصلاح کے لیے جدوجہد کی جائے تو مفید ثمرہ نکلنے کی پوری توقع ہے اس لیے کہ تین طلاقوں کو تین ہی ماننے کی وجہ سے:

الف: مردوں کو طلاق پر بہت زیادہ جرأت نہیں ہوتی، بلکہ وہ طلاق دیتے ہوئے جھجکتے ہیں۔

ب: وہ عورتیں جو شوہر سے تنگ اور عاجز ہیں ان کی گلوخلاصی آسان ہوجاتی ہے۔

ج: آئندہ حرام کاری کا دروازہ بند ہوجاتا ہے۔ اس لیے ایک ہی مرتبہ کی تین طلاقوں میں عورت مغلظہ قرار پاتی ہے۔

د: وہ ناعاقبت اندیش مرد جو غصہ میں آکر تین طلاقیں دے بیٹھتے ہیں انھیں بعد میں سخت ترین اذیت سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اس کا اندازہ وہی شخص لگا سکتا ہے جسے اس طرح کے واقعہ سے دوچار ہونا پڑا ہو۔

ہ: اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ امت کے اجماعی مسلک سے انحراف نہ کرنے کی بنا پر غیروں کو دیگر مسائل میں دخل اندازی کا موقع نہیں ملتا۔

یہ تو چند مثالیں ہیں ورنہ غور کیا جائے تو ہر موقع پر یہی اجماعی مسلک واقعتاً معاشرہ کی اصلاح کا ذریعہ منشاء شریعت کے مطابق اور نہایت احتیاط پر مبنی ہے۔ نئے زمانہ کے اصلاح پسند اگر واقعتاً اصلاح کے جذبہ میں مخلص ہیں تو انھیں اسی اجماعی مسلک کی پیروی کر کے معاشرتی خرابیوں کو دُور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور اس اصلاح کی آڑ میں اصل حکم شریعت کو بدلنے کی روش چھوڑ دینی چاہیے معاملہ قدامت پسندی یا تقلید و عدم تقلید کا نہیں بلکہ معاشرہ کے لیے مفید ہونے یا نہ ہونے کا ہے جو موقف مآل کے اعتبار سے مفید ہو اسے اپنایا جائے اور جو عقل و شریعت ہر اعتبار سے مضر ہے اسے بہر حال ترک کیا جائے۔ ملت کے ساتھ سچی خیر خواہی یہی ہے۔

اس وقت بعض ایسے واقعات بھی بہت اچھالے جارہے ہیں جن میں یہ ذکر ہوتا ہے کہ کسی مرد نے کسی عورت کو اچانک تین طلاقیں دے دیں جس کے نتیجہ میں عورت بے سہارا ہوگئی اور معاشرہ اسے قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوا۔ اس طرح کے واقعات بیان کر کے

تین طلاق کو ایک قرار دینے کی دلیل مہیا کی جاتی ہے۔

قطع نظر اس حقیقت کے کہ یہ واقعات اسلامی طریقہ طلاق کی خرابی کا مظہر نہیں بلکہ معاشرہ کے بگاڑ کی تصویر ہیں اور ان کی وجہ سے اصل حکم میں تبدیلی بالکل بے معنی ہے۔ میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اگر تین کو ایک ہی طلاق دیا جائے تو کیا شوہر کو رجعت پر مجبور کیا جاسکتا ہے کہ ایسی عورتوں کی مشکل آسان ہوجائے؟ اگر وہ رجعت نہ کرے تو حکم کے اعتبار سے عورت کو کیا فائدہ ہوگا؟ کیا اسے عدت کے بعد بھی نان نفقہ شوہر کی جانب سے دلایا جاسکے گا؟ اور فرض کیجیے وہ رجعت بھی کرلے تو اس مرد کو جس نے انجام سے بے خبر ہوکر تین طلاق دینے کے عظیم جرم کا ارتکاب کرلیا ہے اسے اپنے جرم کی کیا سزا ملی؟ اسے تو طلاق رجعی کے ذریعے مزید ہوس رانی کا موقع دے دیا گیا اور عورت کو مجبور کردیا گیا کہ وہ اسی ناقدرے شوہر کے ساتھ پھر زندگی گذارے۔ عجیب بات ہے ایک طرف تو آپ تین طلاقوں کے مرتکب کو سزا دینا چاہتے ہیں دوسری طرف اس کی تین طلاقوں کو ایک قرار دے کر اسے مزید شہوت رانی کا موقع دے رہے ہیں یہ کہاں کا انصاف ہے اسے تو سزا جبھی مل سکتی ہے جب کہ اس کی تین طلاقوں کو تین ہی مانا جائے اور اسے ہرگز رجعت کا موقع نہ دیا جائے تاکہ اسے اپنی بھیانک غلطی کا احساس ہوسکے، نہ یہ کہ تین طلاقوں کو ایک مان کر اس کی مزید حوصلہ افزائی کی جائے۔

اور ساتھ ہی یہاں واقعات کا دوسرا پہلو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے کہ ہمارے معاشرہ میں جہاں ایسے واقعات پیش آتے ہیں جن میں طلاق دے کر عورت کو بے سہارا کردیا جاتا ہے وہیں ایسے واقعات کو بھی کمی نہیں ہے جن میں خود عورت کسی وجہ سے مرد سے چھٹکارا پانا چاہتی ہے اگر دیکھا جائے تو ایسے بھی واقعات زیادہ پیش آتے ہیں۔ امارت شرعیہ کے زیر اہتمام جابجا قائم محکمہ شرعیہ میں ایسے ہی مقدمات عموماً دائر کیے جاتے ہیں تو اب تین طلاقوں کو ایک قرار دینا کیا ایسی عورتوں کے ساتھ ناانصافی نہ ہوگی؟ وہ جدت پسند جنھیں مسلم عورتوں کی حالت زار پر مگرمچھ کے آنسو بہانے آتے ہیں وہ اس پہلو پر غور کیوں نہیں کرتے کیا یہ ان کے نزدیک ناانصافی نہیں ہے؟

یہ بات بھی بڑی شدومد کے ساتھ کہی جاتی ہے کہ ایک ساتھ تین طلاق دینا چونکہ ناجائز اور حرام ہے لہٰذا اسے واقع نہ کیا جائے حالانکہ یہ کہنا احکامِ شریعت سے ناواقفیت اور کم علمی پر مبنی ہے۔ اس لیے کہ شریعت میں بہت سی ایسی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں جن میں اصل کام اگرچہ ناجائز ہے مگر ان پر شرعی احکامات مرتب ہوتے ہیں مثلاً:

۱۔ حالت حیض میں طلاق دینا ممنوع ہے لیکن اگر کوئی طلاق دے دے تو وہ واقع ہوجاتی ہے۔

۲۔ زنا کرنا حرام ہے اگر کوئی زنا کرلے تو اس پر حد شرعی جاری ہوتی ہے۔

۳۔ قتل کرنا حرام ہے مگر اس کی بنا پر قصاص یا دیت کا حکم دیا جاتا ہے۔

یعنی عمل کا حرام ہونا الگ چیز ہے اور اس عمل پر کسی حکم کا مرتب ہونا الگ ہے۔ حرام کے ارتکاب سے گناہ ہوتا ہے جس کا تعلق آخرت سے ہے اور حکم کا ترتب دنیوی اعتبار سے ہے۔ لہٰذا تین طلاقوں کو ایک قرار دینے کے لیے طلاقوں کی حرمت کو دلیل بنانا قابل تسلیم ہے اور شریعت میں ایسے دلائل اور تاویلات کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

بعض نام نہاد دانشور طلاق کے بارے میں براہِ راست قرآن کریم سے استدلال و استنباط کی جرأت کرتے ہوئے سورۂ طلاق کی آیتوں کی ایسی محرف تفسیر کرتے ہیں جو کسی بھی حدیث یا قول سلف سے ثابت نہیں ہے اور ساتھ میں علماء پر طنز بھی کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنے کو دین کا ٹھیکیدار سمجھ رکھا ہے — یہ بڑی خطرناک روش ہے۔ آنحضرتؐ کا ارشاد ہے کہ جو شخص قرآن کریم کی اپنی رائے سے تفسیر کرے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔ علماء دین کے ٹھیکیدار نہیں بلکہ وہ اسلامی ورثہ کے محافظ ہیں، وہ کسی کو قرآن میں غور وفکر سے نہیں روکتے بشرطیکہ صحیح علم اور صحیح مواد کے ساتھ قرآن کریم سے استفادہ اور غور وتدبر کیا جائے۔ اگر قرآن کریم سے اجتہاد و استنباط میں یہ پابندی نہ لگائی جاتی تو یہ دین کب کا بازیچۂ اطفال بن گیا ہوتا اور اس کی روح فنا ہوگئی ہوتی۔ اس لیے ان دانشوروں کو سنجیدگی کے ساتھ اپنے قول وعمل کا جائزہ لینا چاہیے وہ براہِ راست کتاب اللہ کی من مانی تفسیر کرکے گمراہی کے خطرناک دروازہ کو کھول رہے ہیں جس کے بھیانک قومی وملی نتائج نکل سکتے ہیں۔

اسی طرح بعض نئی روشنی کے حامل تین طلاق کی آڑ میں حلالہ کے شرعی حکم کا مذاق اُڑاتے ہیں اور ساتھ میں علماء ومفتیان پر کیچڑ اُچھالتے ہیں جبکہ یہ علماء کے ساتھ مذاق نہیں بلکہ صریح طور پر قرآن وحدیث کی نصوص کے ساتھ استہزا اور استخفاف ہے جو کسی مسلمان کے لیے ہرگز جائز نہیں ہے۔ اس طرح کا استخفاف بسا اوقات آدمی کو کفر کے دروازے تک پہنچادیتا ہے۔ اس لیے نئی روشنی کے حاملوں کو چاہیے کہ وہ علماء کی اندھی دشمنی میں کم از کم اپنے ایمان کا تو سودا نہ کریں۔ تفصیل کا موقع نہیں صرف اتنا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ تین طلاق دینے والے کے لیے حلالہ کی شرط لگا کر شریعت نے اس کے لیے ایسی نفسیاتی سزا مقرر کی ہے کہ اس کا تصور کرکے کوئی بھی باغیرت اور باشرم شخص بلاضرورت تین طلاق دینے کی زندگی بھر جرأت نہیں کرسکتا اس میں عورت کے لیے سزا نہیں بلکہ مرد کے لیے سزا ہے۔ عقل والے اسے بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔

تین طلاق کی موجودہ لاحاصل بحث سے ہندوستان میں یکساں سول کوڈ کے حامیوں نے نقد فائدہ اُٹھانا شروع کردیا ہے۔ چنانچہ پچھلے دِنوں مدراس میں منعقدہ فقہی اجتماع میں آسام کے ایک بڑے مفتی صاحب نے انکشاف کیا کہ حال ہی میں گوہاٹی ہائی کورٹ نے کم از کم تین مقدمات میں تین طلاقوں کو ایک قرار دینے کا فیصلہ کرکے مرد پر نان ونفقہ کا حکم نافذ کردیا ہے۔ ظاہر ہے کہ مقدمہ کی نوبت اسی وقت پیش آئے گی جب کہ مرد رجعت نہ کرنا چاہتا ہو تو کیا رجعت کے بغیر عدت کے بعد تک مرد پر نان ونفقہ کا وجوب جاری رکھنے کا حکم صراحتاً شریعت کے خلاف نہیں ہے۔ یہ تو ابتداء ہے، آگے اس کے کیا غلط اثرات مرتب ہوں گے ان کی سنگینی کا ہمارے دانشوروں اور علماء غیر مقلدین کو احساس نہیں، انھیں تو بس قدامت پرستی اور تقلید کے نام سے نفرت ہے اور تقلید سلف کو نشانہ بنانا ہی وہ اپنے لیے سب سے بڑی اسلامی خدمت سمجھتے ہیں خواہ اس کی بنا پر انھیں اپنے تشخص ہی سے محروم ہونا پڑے۔

اس طویل تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ اس وقت اسلامی طریقہ طلاق میں اصلاح ہرگز

ضرورت نہیں بلکہ صرف مسلم معاشرہ میں اصلاح کی ضرورت ہے۔عوام کو سمجھایا جائے کہ طلاق دینے کا شرعی طریقہ کیا ہے اور خاص کر اس غلط فہمی کو دُور کیا جائے کہ جب تک تین طلاق نہ دیں طلاق ہی نہیں پڑتی۔ یہ غلط فہمی ہی اس زمانہ میں تین طلاقوں کی کثرت کی بنیادی وجہ ہے۔اس غلط فہمی کو ضرور دُور ہونا چاہیے۔نیز اصلاح کے علمبرداروں پر لازم ہے کہ دینی احکامات میں تبدیلی کی بحث میں الجھنے کے بجائے عملی میدان میں آ کر معاشرہ کو ضرورت کے وقت صرف ایک ہی طلاق دینے کا عادی بنائیں تاکہ بلا کسی اختلاف کے طلاق کی ضرورت پوری ہو سکے۔ میں غیر مقلد علماء کو بھی توجہ دلاؤں گا کہ وہ اپنے خاص موقف کو ساری امت پر زبردستی تھوپنے کی کوشش نہ کر کے صرف ایک طلاق کا رواج دینے پر اپنے وسائل صرف کریں۔ کیونکہ اب بحث کا دائرہ مقلدین و غیر مقلدین کے درمیان نہیں رہا بلکہ اسلام اور دشمنانِ اسلام کے درمیان معرکہ آرائی ہو رہی ہے۔ ایسے میں عملی جدوجہد کے لیے اتفاقی شکل تلاش کرنا اور اس کو رہنما بنانا ضروری ہے۔ یہ حقیقت اچھی طرح ذہن نشین کر لی جائے کہ تین طلاق کو ایک قرار دینے سے ہرگز معاشرہ کی اصلاح نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اصلاح کا راستہ صرف اور صرف یہ ہے کہ معاشرہ میں طلاق کی پھیلتی ہوئی وبا پر روک لگائی جائے اور شریعت کے مطابق طریقہ طلاق کا رواج دیا جائے۔

ان اريد الا الاصلاح مااستطعت وماتوفيقي الا بالله

(بشکریہ ''ندائے شاہی'' اگست ۱۹۹۳ء)

طباعت شیروانی آرٹ پرنٹرز دہلی۔٦ فون: 2943292